ڈاکٹر کامران عباس کاظمی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

عہد نو آبادیات اور نذیر احمد کا عصری شعور

Nazir Ahmed is pioneer and father of "Reformative story telling".Although his novels can not be termed as novels in strict sense. As they don't stand the test of conventional novel definition. Yet a tale having a specific purpose and delineated factually not fictionally would be the work of Nazir Ahmed, that can be categorized as novel. It can be said as evening of story telling or morning of novel. He collects his stuff from his own society. He portrays domestic life very skilfully in great detail. His basic purpose of writing is to educacate house wives about changing circumstances. His didacticism is in line with the demands of his age.. His novels reflect the conceptual process of colonial era.This article is an effort to encompasses the social and historical perception of Nazir Ahmed.

داستان سے ناول تک کا سفر تقریباً ایک صدی پر محیط ہے۔ ''نو طرز مرصع'' کا سن تصنیف غالباً ۱۷۷۵ ہے جبکہ مولوی نذیر احمد کا پہلا ناول ''مراۃ العروس'' ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا۔ ناول اگرچہ داستان کی ترقی یافتہ شکل ہے لیکن اپنے پس منظر اور فضا کے اعتبار سے دونوں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ داستان کی فضا تخیلاتی یا طلسماتی ہوتی ہے لیکن ناول حقیقی دنیا سے متعلق ہوتا ہے۔ داستان اور ناول کے اشتراکات اور امتیازات کا تذکرہ کرتے ہوئے احسن فاروقی لکھتے ہیں:

> ناول اور داستان کے اجزائے ترکیبی میں بنیادی میں فرق نہیں۔ صرف زمانے اور انسانی شعور کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کی نوعیت بدل گئی۔ ناول کتنی ہی حقیقی کیوں نہ، وہ ہرگز دلچسپ نہیں ہوسکتی جب تک اس میں تخیل کی آمیزش نہ ہو اور کوئی بھی داستان ایسی نہیں دکھائی دیتی جس میں تخیل کی فراوانی کے ساتھ کچھ نہ کچھ حقیقت نہ ملی ہو۔[۱]

داستان سے ناول تک کے ارتقائی سفر نے ایک نئی ادبی فضا تخلیق کی۔ انگریز نو آبادکاروں کی ہندوستان آمد نے اسے اپنی نو آبادیات میں بدلنے کے لیے جدید علوم کو فروغ دیا، جس نے جدت فکر اور سائنسی انداز نظر کو فروغ دیا۔ یوں ہندوستانی تہذیب و معاشرت ہر سطح پر متاثر ہوئی اور ایک مخصوص نقطہ نظر نے فروغ پایا جس کے مطابق ہندوستانی طبقات اخلاقی پستی اور ذہنی پسماندگی کا شکار قرار دے دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ ان کے ہاں مصنوعی دکھاوا ہے اور دیگر اخلاقی عوارض انھیں لاحق ہیں سو اصلاح معاشرت وقت کی آواز ہے اور ادبی اہمیت و اختیار رکھنے والے افراد کو اصلاح معاشرہ کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ یہی بنیادی خیال سرسید تحریک کا مرکزہ تھا اور اسے ہی مقصد قرار دے کر مولوی نذیر احمد نے اصلاحی قصہ نگاری کا آغاز کیا۔ مولوی نذیر احمد کے ناول گو کہ ناول کی مروجہ تعریف پر پورے نہیں اترتے البتہ ایک ایسا قصہ جو ایک خاص مقصدیت کا حامل ہو اور اس میں ماورائی باتوں کے بجائے حقیقت نگاری سے کام لیا گیا ہو وہ نذیر احمد کا قصہ ہوگا اور ناول کی ذیل میں رکھا جا سکے گا۔ اہم بات یہ ہے کہ پریم چند سے کئی دہائیاں قبل نذیر احمد کم تر سطح پر ہی سہی تاہم حقیقت گاری کا شعور رکھتے تھے۔ نذیر احمد کے ان قصوں کو داستان کی آخری اور ناول کی ارتقائی شکل اور ایک ''تمثیلیہ'' کہا جا سکتا ہے البتہ نذیر احمد کے فن کے دوسرے دور کے قصے ''محصنات'' اور ابن الوقت'' وغیرہ میں ناول کے لوازم بشمول حقیقت نگاری زیادہ نکھری صورت میں موجود ہیں۔ تاہم مولوی صاحب کے قصوں یا تمثیلیہ میں زندگی اور اس کی موجودہ شکل، معاشرت اور اس کے جدید احساسات و لوازمات، تہذیب کی بدلتی صورتیں اور تغیر پذیر سماجی صورتحال کی تصویر کشی خوب ہوئی ہے۔ ڈاکٹر مظفر عباس اردو کے پہلے ناول نگار کے طور پر مولوی نذیر احمد کے تخلیقی سفر کو دو حصوں میں منقسم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مولوی نذیر احمد کی ناول نگاری کے پہلے دور کے محرکات، رجحانات اور مقاصد کا محور اس دور کی اصلاح نسواں کی تحریک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے تینوں ناولوں کا موضوع خانگی زندگی اور خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم ہے۔ ان کی ناول نگاری کا پہلا دور مقصدیت کے اس پہلو سے تعلق رکھتا ہے جو خالصتاً خاندانی اور معاشرتی ہے۔[۲]

نذیر احمد ناول کا مواد اپنے سماج سے لیتے ہیں۔ ان کے کردار سماج سے گہرے طور پر متعلق ہوتے ہیں۔ نذیر احمد خانگی زندگی کا احوال بڑی جزئیات کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ''مراۃ العروس'' کا خالص مقصد ہی عورتوں، بہو بیٹیوں کو بدلتی ہوئی زندگی کی آگاہی بخشنا ہے۔ ''مراۃ العروس'' اور ''بنات النعش'' دراصل انگریز حکومت کی طرف سے آغاز کی گئی تعلیم نسواں کی تحریک سے براہ راست وابستگی کا نتیجہ ہیں۔ نذیر احمد کے تمام ناول اصلاحی اور مقصدی پہلو

کے حامل ہیں۔ نذیر احمد کی مقصدیت ان کے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ مولوی صاحب کو اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ جب تک شرفا کے گھروں کی بہو بیٹیاں نئی تعلیم سے روشناس نہ ہوں گی اور بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق خود کو تیار نہیں کریں گی، سماج کی حالت نہیں سدھر سکے گی۔ گویا سماجی تبدیلی کا ساتھ دینے کے لیے ضروری ہے کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی ضروری تعلیم حاصل کریں۔ جیسا کہ ڈاکٹر اشفاق محمد خاں کا کہنا ہے:

> مراۃ العروس کا موضوع امور خانہ داری یا مستورات کی اصلاح معاشرت کہا جا سکتا ہے۔ یہ کہانی دہلی کے ایک متوسط شریف مسلمان خاندان کی کہانی ہے جس میں اس خاندان کے طرز معاشرت کی ہو بہو عکاسی کر کے یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح خواتین اپنی توہم پرستی، جہالت اور کج روی کی بنا پر ہمیشہ رنج و آلام کا شکار رہتی ہیں۔[۳]

ممکن ہے نذیر احمد کے قصوں میں واقعات کے فطری ربط، تسلسل اور ارتقا کا فقدان نظر آتا ہو مگر تہذیبی و سماجی شعور کی جھلک برابر موجود رہتی ہے۔ ان کے کردار مثالی ہیں چونکہ ان سے نذیر احمد کا مقصد کا ایک خاص طرح کی اصلاح ہے اس لیے ان قصوں میں واعظ اور مصلح کا سا انداز ملتا ہے۔ ''مراۃ العروس'' اور ''بنات النعش'' کے کردار حقیقی ہونے کے باوجود مثالی ہیں۔ وقار عظیم اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ان دونوں قصوں نے ہمیں پہلی مرتبہ یہ بات بتائی ہے کہ معاشرے کے اہم مسائل قصے کہانی کے پیرائے میں پیش کیے جا سکتے ہیں اور ان مسائل کو پیش کرتے وقت زندگی کا ایسا پس منظر استعمال کیا جا سکتا ہے جو سادگی کے باوجود مؤثر اور دل نشین ہو سکتا ہے۔[۴]

نذیر احمد دلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ سو ان کے دل و دماغ کی کشمکش بالآخر جدید علوم کے عملی استفادے اور نئی تہذیبی و سماجی صورتحال کی قبولیت پر منتج ہوئی تھی۔ نذیر احمد انگریز حکمرانوں کی طرز معاشرت کو مثالی سمجھتے ہیں اور ہندوستانی تہذیبی ماضی کو فراموش کر دینے کو ہی عصری شعور کا ارتقا گردانتے ہیں۔ مثلاً ''مراۃ العروس'' میں اصغری تعلیم دیتے ہوئے ملکہ وکٹوریہ کی تعریف تو کرتی ہے مگر دہلی کے تخت سے سبکدوش بادشاہ کے ذکر پر لڑکیوں کا قہقہہ بھی سنائی دیتا ہے۔ یہی تعلیم دیتے ہوئے نذیر احمد نئے سیاسی شعور کا احساس بھی دلاتے ہیں:

> اصغری: فضیلت! تم بڑی نادان ہو۔ تم نے خود کہا کہ جو سب سے بڑا حاکم ہو اور سب پر حکم چلائے وہ بادشاہ ہوتا ہے اور یہ بھی جانتی ہو کہ بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے تو انگریز بادشاہ ہوئے یا

نہ ہوئے؟

فضیلت: ہائے! ہوئے تو سہی۔

اصغری: اچھا اب بتاؤ ہمارا بادشاہ کون ہے؟

فضیلت: انگریز[۵]

مولوی صاحب عہد گذشتہ کو ہندی مسلمانوں کی اخلاقی زبوں حالی کا ذمہ دار گردانتے ہیں۔ خود اصغری کے کردار سے عہد گذشتہ کے تہذیبی رکھ رکھاؤ کی نفی کا احساس اجاگر کرنے میں مولانا کامیاب رہے ہیں۔ نذیر احمد انگریزی سرکار کو مغلیہ سرکار سے بہتر سمجھتے تھے اور اس امر پر سماج کو قائل کرنے کے بھی خواہاں نظر آتے ہیں کہ ملکہ وکٹوریہ کا راج ان کے لیے باعث رحمت ہے۔ تہذیبی انجذاب کے اس عمل سے گویا وہ خود کو نہ بچا سکے۔ نوآبادکار جس طرح انفرادی منفعت کے حصول کو سماج کی ضرورت بنا دیتا ہے، نذیر احمد کے کردار اس کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔ البتہ ہر طرح کے کردار کے ساتھ ایک مثالیت پسند کیفیت بھی موجود ہے کہ وہ انگریز حکمرانوں کی خدمت دل و جان سے کرے اور حکومت کا وفادار رہے۔ سو وہ ہر طرح کے دنیاوی فوائد حاصل کر سکے گا۔ مولوی صاحب کے بعض ناولوں سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ سرسید کے برعکس گھر کی اصل ذمہ داری بلکہ خاندان کی رہنمائی کا فریضہ عورت کو سونپنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے تحریک تعلیم نسواں سے متاثر ہو کر مولوی صاحب نے یہ رویہ اپنایا ہو تاہم یہ اتنا بھی بلاوجہ نہیں ہے۔ یہاں مولوی نذیر احمد کے سیاسی شعور کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔ کیونکہ ہندوستان ملکہ وکٹوریہ کی عملداری میں آ گیا تھا اور اہل ہند کے لیے معاشرتی اعتبار سے کسی خاتون کی حکمرانی قبول کرنے میں عذر موجود تھا۔ سو اصغری کے برتے ہوئے طریقہ تعلیم میں مولوی صاحب ملکہ وکٹوریہ کی دانشمندی، سلیقہ شعاری اور حسن وخوبصورتی کا ذکر کرتے ہوئے ملکہ کو ہندوستانی عورتوں کے لیے بطور مثال پیش کرتے ہیں۔ نذیر احمد جو تعلیم دینا چاہتے ہیں اور جو طریقہ تعلیم اختیار کرنا چاہتے ہیں اس کی تفصیل ''بنات النعش'' میں بیان کرتے ہیں۔ ڈاکٹر زینت بشیر، اصغری کے مکتب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> بنات النعش میں اصغری کے مکتب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جہاں لڑکیوں کے عادات و اطوار اور مزاج کی اصلاح موقع اور محل کے لحاظ سے باتوں ہی باتوں میں کی جاتی ہے کہانیوں، حکایات تعلیمی، معاشرتی، اخلاقی، سائنسی اور جغرافیائی علوم، مختلف مذاہب اور ممالک کی طرز معاشرت وغیرہ کا احاطہ نہایت ہی دلچسپ انداز میں ڈرامائی شان پیدا کرتے ہوئے کیا گیا ہے۔ غرض یہاں لڑکیوں کو مکمل

عورت بننے کا درس دیا جاتا ہے۔[۶]

نذیر احمد کے ابتدائی ناول تعلیم نسواں اور اصلاح نسواں کی ضرورت کو پورا کرنے کے مقاصد سے لکھے گئے۔ان ناولوں میں جدید تہذیبی و ثقافتی شعور دراصل نئی یعنی نوآبادیاتی سماجی صورتحال کا عکاس ہے۔ان ناولوں میں معاشرتی زندگی سے متعلق روزمرہ کی معلومات کا عام اور دلچسپ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔سماجی زندگی سے متعلق معلومات اور بعض سائنسی اور ریاضیاتی ضروری معلومات مکالماتی صورت میں مہیا کی گئی ہیں۔البتہ نذیر احمد ماجرے میں کہیں بھی انگریز نوآبادکاروں کے طرز معاشرت اور بہتر انداز حکمرانی کی توصیف کا موقع نکال لیتے ہیں۔ دراصل ان کا سماجی شعور انھیں یہ باور کراچکا ہے کہ اگر مسلمان عورتیں اپنے گھر کے معاملات سدھار لیں گی اور بدلتی ہوئی صورتحال میں اپنے مردوں کا ساتھ دیں گی تو مسلمان خاندان بدلتی دنیا میں ازسرنو وقار حاصل کرلیں گے۔نذیر احمد کے ناولوں کا پہلا دور تعلیم نسواں اور اصلاح نسواں تک محدود تھا مگر دوسرے دور جس میں ''فسانہ مبتلا''، ''ابن الوقت'' اور ''ایامیٰ'' جیسے اہم قصے تخلیق کیے، میں خاندانی اور معاشرتی مقاصد سے باہر ان کا موضوعاتی دائرہ پھیلتا محسوس ہوتا ہے۔ بقول ڈاکٹر مظفر عباس:

> دوسرے دور کے ناولوں میں ان کی مقصدیت وسعت اختیار کرتی نظر آتی ہے۔اب موضوعات کا دائرہ خاندان سے نکل کر معاشرے کے اجتماعی اصلاحی پہلو تک وسیع ہوتا نظر آتا ہے۔[۷]

گویا نذیر احمد کی مقصدیت کا دائرہ مزید وسعت اختیار کرتا ہے اور اب ان کے موضوعات میں قومی و معاشرتی مسائل داخل ہوجاتے ہیں۔یعنی اب وہ گھریلو اصلاح سے نکل کر معاشرتی اصلاح کا بیڑا اٹھاتے ہیں۔سماج کی سیاسی اصلاح ان کا مطمع نظر ہے البتہ اس عہد میں نذیر احمد انگریزی تمدن کی اندھی تقلید کے مخالف کے طور پر ابھرتے ہیں اور اس کی نمایاں مثال ''ابن الوقت'' ہے۔اس ناول میں نذیر احمد کا تہذیبی شعور گوکہ ایک نئی کروٹ لیتا ہے جب وہ کہتے ہیں ''وضع، ظاہر، لباس اور طرز تمدن میں انگریزوں کی تقلید کے نقصان دکھا کر مسلمانوں کو اس سے باز رکھا جائے۔''[۸] اس ناول سے نذیر احمد کی وسیع تر مقصدیت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔نذیر احمد اپنے ناولوں کے کردار متوسط طبقات کے گھرانوں سے لیتے ہیں۔یہی وہ طبقات تھے جو اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنے، اپنے سماجی تضادات کے ہاتھوں معاشی بدحالی کا سامنا کرنے اور اخلاقی و مذہبی اقدار کی جکڑ بندیوں نیز تہذیبی بحران کا شکار تھے۔نذیر احمد کا سماجی شعور انیسویں صدی کے متوسط اور نچلے طبقہ کے مسلمان گھرانوں کی حقیقی عکاسی کرتا ہے۔ان کے ناولوں میں زندگی کا واضح اور طے شدہ مقصد مشرقی مزاج، مشرقی فکر اور مشرقی اخلاقی اقدار کا حامل ہے۔البتہ وہ تہذیبی جکڑ

بندیوں، ناروا اخلاقی رسومات اور تصنع آمیز رواج وغیرہ کے اصلاح کا جذبہ بھی ساتھ رکھتے ہیں۔مسلمانان ہند کی معاشرتی زندگی کا مشاہدہ انھوں نے بڑے قریب سے کیا تھا اس لیے ان خاندانوں کی نجی زندگی اور اس کے مسائل اور ان کی تہذیب و معاشرت کو گہرے تہذیبی و سماجی شعور کے ساتھ پیش کیا۔ سرسید تحریک سے نذیر احمد جزوی اختلاف رکھتے تھے البتہ عقلیت پسندی کی حد تک وہ ان سے متفق تھے۔تمدنی اور تہذیبی سطح پر سرسید تحریک انگریزی معاشرت اور علوم سے متاثر تھی۔اس مسلم معاشرے میں بھی سرسید مغربی طرز پر بلوغت، معقولیت اور سائنسی نقطہ نظر پیدا کرنا چاہتے تھے۔نذیر احمد نے تو براہ راست دلی کالج سے استفادہ کیا تھا اس لیے سیاسی و علمی اعتبار سے وہ عصری شعور سے آگاہ تھے سو سرسید کی نوآبادکاروں سے مفاہمانہ پالیسی کے مقاصد سے نذیر احمد ہم آہنگ تھے۔ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

> نذیر احمد نے سرسید تحریک کے اس مشن کو فروغ دینے کے لیے ناول کو ذریعہ اظہار بنایا۔ان کے فن کی تمام تر اساس اجتماعی مقصدیت پر قائم ہے۔ ان سے قبل داستان یا قصہ سرائی کو حصول طرب کے لیے استعمال کیا جاتا تھا لیکن انھوں نے سماجی مسائل کو اپنے قصوں کی بنیاد بنا کر معاشرے پر تنقید اور تعمیر کی بنیاد رکھی۔تمدنی مسائل پر لکھتے ہوئے نذیر احمد نے متوسط طبقے کی خانگی اور معاشرتی زندگی کے مرقعوں کی جزئیات کو بڑے حقیقت پسندانہ طریقے سے موضوع بنایا ہے۔اس طرح کہ وہ اپنے ہر ناول کی بنیاد کسی نہ کسی معاشرتی، تمدنی یا مذہبی مسئلے پر رکھتے ہیں۔ان کے ناول ابھرتے ہوئے متوسط طبقے کی زندگی کے مختلف مسائل اور بدلتے ہوئے ردِ اعمال کو سامنے لاتے ہیں۔[۹]

نذیر احمد کے قصے اپنی مثالیت پسندی کے باوجود عصری حسیت کے حامل نظر آتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے واقعات کے ردِعمل نے بالخصوص ہندی مسلمانوں میں انفعالی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ مایوسی اور ناامیدی نے انھیں اپنی ذات کے خول میں بند کر دیا اور وہ بدلتی تہذیبی صورتحال اور نئے معاشرتی تناظر کا ساتھ دینے سے کترانے لگے جبکہ ایک دوسرا طبقہ قدرے حوصلہ مند لوگوں پر مشتمل تھا انھوں نے نئے حالات کا خیر مقدم کیا۔نذیر احمد کا تعلق اسی طبقے سے تھا جو مذہب کو تو ضروری سمجھتے تھے لیکن مذہبی جمود کے خلاف تھے۔اسی لیے وہ انگریزی معاشرت کی اندھی تقلید سے گریز کا رویہ بھی اپناتے ہیں۔''ابن الوقت'' اسی حوالے سے گہرے سیاسی، معاشرتی اور نفسیاتی شعور کا حامل ناول ہے۔ ابن الوقت ایک ایسا کردار ہے جو اپنی مشرقی وضع داری کا پاس رکھتے ہوئے مکمل مغربی تمدن اپنانے میں ہی عافیت سمجھتا ہے، جیسا کہ تاج بیگم لکھتی ہیں:

ناول کا قاری ابن الوقت کے نام سے چونکتا ہے اور سوچتا ہے کہ یہ کسی ایسے تھالی کے بینگن کی سرگزشت ہے جو لمحہ بہ لمحہ اپنی وفاداری بدلتا رہتا ہے لیکن صورت حال یہ نہیں بلکہ نذیر احمد اس منفی معنویت کی اس ترکیب سے ایک ایسے شخص کی زندگی کی روداد بیان کرنا چاہتے ہیں جو اندھی تقلید کی روش میں اپنی اصل سے بیگانہ ہو گیا اور اسے اپنوں اور بیگانوں سب میں نکو بننا پڑا۔[۱۰]

اپنے عہد کے مسلمانوں کے تقریباً تمام اہم مسائل کو نذیر احمد نے اپنے قصوں کا موضوع بنایا ہے۔ نذیر احمد کا اصلاح کا دائرہ معاشرتی مسائل تک محدود ہے۔ ''ابن الوقت'' میں نذیر احمد اس حقیقت سے آگاہ دکھائی دیتے ہیں جو نوآبادکار اور مقامی افراد کے مابین جنم لیتی ہے۔ نوآبادکار ابتدا میں یہی پالیسی اپناتے ہیں کہ مقامی سماج کو ان کے تہذیبی و تاریخی ورثے سے منقطع کر دیں اور اپنی معاشرت کو بطور مثال ان کے سامنے پیش کریں تا کہ وہ بھی اسے اختیار کرنے میں فخر محسوس کریں۔ لیکن سماجی رشتوں کی نوعیت جلد تبدیل ہو جانا شروع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حاکم کی نفسیات یہی ہوتی ہے کہ وہ محکوم کو اپنی برابری سے بہرصورت دور رکھتا ہے۔ رشید گوریجہ ''ابن الوقت'' کے تناظر میں لکھتے ہیں:

نذیر احمد دیکھ رہے تھے کہ نوجوان طبقہ بڑی تیزی سے مغربی وضع قطع اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اس سے وہ اپنے ہم وطنوں سے بھی دور ہوتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف انگریز بھی یورپین وضع قطع اختیار کرنے پر ان سے خوش نہ تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس طرح مقامی لوگ ان کی مسابقت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ انھیں کسی طرح بھی منظور نہ تھا کہ ان کی رعایا ان کی برابری کرے۔[۱۱]

''ابن الوقت'' درست معنوں میں نذیر احمد کے سیاسی شعور کا آئینہ دار ہے بلکہ یہ ناول مذہب اور تہذیب کو بھی سیاست کے علاوہ اپنا موضوع بناتا ہے۔ ابن الوقت کا کردار انگریزی تعلیم حاصل کرتا ہے بلکہ اپنی وضع بھی انگریزی بنا لیتا ہے اور لباس میں بھی تبدیلی لے آتا ہے۔ گفتگو کا ڈھنگ بھی انگریزوں کا سا اپنا لیتا ہے۔ گویا یہ اس امر کا اظہار ہے کہ انگریزی تہذیب کہاں تک ہندوستان میں قدم جما چکی ہے اور لوگ اس سے کس حد تک متاثر ہو رہے تھے۔ نذیر احمد کا یہی ناول ان کے تاریخی شعور کا بھی پتہ دیتا ہے۔ نذیر احمد کا یہ نمائندہ ناول ان کے عصری حالات کو بھی اپنا موضوع بناتا ہے۔ یہ ناول اس ذہنی انتشار کی نشاندہی بھی کرتا ہے جو عصری سماج کے افراد کے ذہنوں میں موجود تھا۔ نذیر احمد بالآخر اس حل تک پہنچتے ہیں کہ انگریز سیاسی حکمران ضرور ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان کی تہذیب و معاشرت کو بھی اپنایا جائے۔ حجت الاسلام جو دراصل نذیر احمد خود ہیں، کی زبانی انگریزی حکمرانی کو نص قرآنی سے یوں ثابت

کرتے ہیں:

ہر چند وکٹر صاحب میرے حال پر حد سے زیادہ مہربانی فرماتے ہیں۔مگر میں ان کا ادب بھی کرتا ہوں اور نہ صرف ان کا بلکہ کل حکام انگریزی کا کیونکہ میں نے سمجھ لیا ہے کہ یہ برتری ان کو خدا نے دی ہے اور خدا کے کلام پاک میں حاکم وقت کی اطاعت کا حکم صریح موجود ہے۔[۱۲]

البتہ نذیر احمد کو ابن الوقت (بقول شخصے جو درحقیقت سرسید ہیں) کا انگریزوں کی سی وضع قطع پر اعتراض ہے مگر وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستانی جاہل، اجڈ اور گنوار لوگ تھے اور یہ انگریز حکمرانوں کی برکت ہے کہ یہاں کے لوگ مہذب ہو رہے ہیں۔ مثلاً جب شارپ صاحب اور حجتہ الاسلام کے مابین غدر، اس کے نتائج اور انگریزی حکومت کے متعلق مکالمہ ہوتا ہے اور شارپ کہتا ہے کہ ہندوستانی لوگوں کو ایشائی طرز حکومت ہی شاید قابو میں رکھ سکتا ہے تو حجتہ السلام اور شارپ کے مابین ہونے والا مکالمہ دیکھیے:

حجتہ الاسلام: محال عقل ہے کہ برٹش گورنمنٹ ایسی اجلی اور مہذب اور شائستہ گورنمنٹ ہو کر وحشی اور بیہودہ اور نالائق گورنمٹوں کا طریقہ اختیار کرے۔

شارپ: پھر آپ لوگ برٹش گورنمنٹ کی جیسی چاہیے قدر کیوں نہیں کرتے؟

حجتہ الاسلام: تمام ہندوستان میں کسی مذہب کسی قوم کا ایک متنفس بھی ایسا نہیں جو برٹش گورنمنٹ کو تہ دل سے عزیز نہ رکھتا ہو۔ ہم لوگ نیم وحشی، جاہل، نامہذب جو کچھ ہیں، سو ہیں مگر باولے نہیں کہ اپنے نفع و نقصان میں امتیاز نہ کر سکیں۔۔۔ پہلے خدا کے اور خدا کے بعد گورنمنٹ کے بہت بہت شکر گزار ہیں۔[۱۳]

گویا حجتہ السلام بھی حکومت کو اپنے لیے باعث رحمت سمجھتا ہے اور یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ انگریزی حکومت کے برابر اور رحم دل حکومت روئے زمین پر کہیں نہیں ہے۔ نذیر احمد کا سیاسی شعور البتہ اس ناول میں ہندوستانی اذہان میں موجود داخلی اور خارجی کشمکش کا مشاہدہ بخوبی کر رہا ہے۔فرد اور سماج کے مابین موجود کشمکش اور دو تہذیبوں کے مابین تصادم کی فضا اس عصریت کا اظہار کر رہی ہے جو آئندہ برسوں میں ہندوستان میں سیاسی بیداری کا سبب بنی۔ ابن الوقت دراصل وہ کردار ہے جسے خود انگریزوں نے اپنی سیاسی ضرورتوں کے لیے جنم دیا تھا جس کے لیے دلی کالج نے ایک خاص فضا بنائی تھی۔ یہ ایسے طبقے کا نمائندہ کردار ہے جو نہ صرف نو آبادیاتی نظام کو سہارا دیتا ہے بلکہ اپنے تہذیبی و تاریخی ورثے اور اپنی قوم کے افراد سے منقطع ہو جاتا ہے۔ بقول عظیم الشان صدیقی:

جدید تہذیب کے طور طریقے جب پابندی مذہب میں مانع آتے ہیں تو وہ شرعی احکامات کی تعمیل کو ترک

کر دیتا ہے۔ تبدیلی معاشرت کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ۔۔۔ جس مقصد کے لیے اس نے معاشرت تبدیل کی تھی یعنی اصلاح قوم اس کو بھی بھول جاتا ہے۔ اپنی قوم سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ اس کے ہم مذہب اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔[۱۴]

نذیر احمد نے کل سات ناول لکھے۔ ان کے ناول ان کے عہد کی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور معاشرتی حقیقتوں کے عکاس ہیں۔ مراۃ العروس (۱۸۶۹ء) میں عورتوں کی تعلیم اور خانگی امور میں عورت کی سلیقہ مندی، سگھڑ پن، مذہبی اطاعت، غیر ضروری رسوم سے گریز اور تصنع یا بناوٹ کی مخالفت کی گئی ہے۔ ''بنات النعش'' (۱۸۷۲ء) میں عام فہم معلومات، طریقہ تعلیم اور تعلیم کی اہمیت، گھر کی سلطنت کی سربراہ عورت کا معاملہ فہم اور ذکی الحس ہونا، خاندانوں کی اخلاقی پستی کا بیان اور تعلیم کا عورتوں کی زندگی پر اثرات اور تبدیلی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''توبتہ النصوح'' (۱۸۷۴) میں خاندانوں کی اخلاقی پستی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول کے مخاطب درحقیقت والدین ہیں جنھیں چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت مخصوص اسلامی ضابطوں کے مطابق کریں۔ البتہ یہ ناول بھی مخصوص نوآبادیاتی پس منظر میں اپنے ہی تہذیبی و اخلاقی ورثے کے سامنے شرمندہ ہے۔ اس ناول میں نذیر احمد نے مذہبی اور اخلاقی مسائل کو خانگی زندگی کے تناظر میں پیش کیا ہے۔ اس ناول سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نذیر احمد مذہب کو ہر شعبہ زندگی کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں، جیسا کہ زینت بشیر کا خیال ہے:

نصوح کے کردار سے نذیر احمد کے مذہبی خیالات اور ان کے نظریات پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نذیر احمد مذہب کو زندگی کے ہر شعبہ میں سانس کی طرح ناگزیر سمجھتے تھے۔ بہ آسانی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ اس ناول پر مذہبی فضا چھائی ہوئی ہے۔[۱۵]

نصوح، کلیم اور ظاہر دار بیگ اس کے اہم کردار ہیں۔ نصوح کے روپ میں دراصل نذیر احمد کلیم کے کتب خانے میں موجود تمام کتابوں کو بشمول ''گلستان'' و ''بوستان'' ''سوختنی'' اور ''دریدنی'' کہہ کر آگ میں جھونک دیتے ہیں البتہ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ایک پادری کے اخلاقی رسالے کو سنبھال کر رکھنے کی نصیحت بھی کر دیتے ہیں۔ گویا مشرق میں مروج اخلاقی اقدار کو نوآبادیاتی نظام نے فرسودہ قرار دے دیا تھا۔ اخلاقی اقدار کی اس فرسودگی اور اس کے بوجھ ہونے اور ترقی کے راستے میں رکاوٹ بننے کا پہلا اعلامیہ ادب میں مولوی نذیر احمد کے ذریعے ظاہر ہوا۔ وہ ناول نگار سے زیادہ مصلح کا روپ دھار لیتے ہیں۔ مذہبی تشکیک پسندی اور اپنی اخلاقی تہذیبی اقدار کی فرسودگی ان کا خاص موضوع ہیں۔ عہد سرسید میں فکشن میں عقلی استدلالیت کو حاصل اہمیت تھی لیکن سماجی اقدار کی نئی تفہیم اور مذہبی تاویلات

جو ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں نظر آتی ہیں اس کا بڑا حصہ نیچرل ازم کی ہی دین ہے۔ نذیر احمد مذہبی تشکیک کے کم البتہ اس کی نئی تاویلات کے زیادہ حامی نظر آتے ہیں۔ نذیر احمد کے ناولوں میں اس عہد کی ذہنی اور جذباتی کشمکش کا خوب اظہار ہوا ہے مثلاً ''توبۃ النصوح'' کا کردار کلیم مغربی معاشرت کے زیر اثر مذہبی عبادات کو محض ڈھکوسلہ قرار دیتا ہے۔ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

> بنات النعش، مراۃ العروس، ایامی اور ابن الوقت میں نذیر احمد معاشرت کے اسی (۱۸۵۷ء کے مابعد) بحران کی عکاسی کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس بحران کا راستہ وہ سلیقہ مندی میں ڈھونڈ نکالتے ہیں اور ''ابن الوقت'' کے کردار مولوی حجتہ الاسلام کی طرح انگریزوں کی خیر خواہانہ ملازمت اور مذہب کے ظاہر شعائر کی پابندی دونوں میں توازن قائم کرتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی لڑائی ''ابن الوقت'' کے سارے نشیب و فراز کے پس منظر کی حیثیت سے موجود ہے اور یہاں بھی وہی ناگزیر سمجھوتے کی کیفیت نمایاں ہے۔[۱۶]

اسی طرح ''فسانہ مبتلا'' (۱۸۸۵) بھی نذیر احمد کے مذہبی و اخلاقی تصورات و نظریات کی تبلیغ کا حامل ناول ہے۔ بقول تاج بیگم فرخی:

> فسانہ مبتلا تعداد ازدواج کی خرابیوں کو مدنظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ لیکن یہ محض تعداد ازدواج کی خرابیوں پر مبنی قصہ نہیں بلکہ انیسویں صدی کے شہری مسلم معاشرے کے طرز احساس کا بیان ہے جس میں ضمنی طور پر مضافات شہر کے مسلم معاشرے کا بیان بھی شامل ہے۔[۱۷]

دراصل اس ناول کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں مذہب کو ایک فعال عنصر کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے اور سماجی اور خانگی زندگی کو اس کے تابع رکھا گیا ہے۔ ''توبتہ النصوح'' کا ہر کردار اور واقعہ اپنے معاشرتی پس منظر کے ساتھ ناول میں موجود ہے اور نذیر احمد جس طرح سماج کے ہر طبقے کی انفرادیت کو نمایاں کرتے ہیں ایسا گہرے سماجی شعور کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

''ابن الوقت'' ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا جبکہ ''ایامیٰ'' ۱۸۹۱ء اور ''رویائے صادقہ'' ۱۸۹۴ء میں شائع ہوئے۔ ''ابن الوقت'' کے علاوہ ''ایامیٰ'' بھی نذیر احمد کے گہرے سماجی اور سیاسی شعور کی تخلیق ہے۔ اس ناول میں نذیر احمد نے ایک مشرقی لڑکی کی ذہنی کیفیات واحساسات کو ''آزادی بیگم'' کے روپ میں اجاگر کیا ہے۔ اس ناول میں انھوں نے عورت کی نفسیات کو بھی گہرے طور پر دیکھا ہے۔ آزادی بیگم جب بیوگی کے دن گذار رہی ہوتی ہے تو مشتاق کے

لیے پیدا ہونے والے فطری جذبات کا نفسیاتی احاطہ خوب کیا گیا ہے۔''فسانہ مبتلا'' کی طرح ''ایامیٰ'' بھی ۱۸۵۷ء کے بعد کے مسلم معاشرے کی عمومی صورتحال کا عکاس ہے۔عورتوں کی نفسیات تو اس ناول کا موضوع ہے مگر دوسرا طبقہ مولویوں کا ہے جو انجماد کا شکار ہے اور مذہب کے نام پر روایتی مگر بوسیدہ اقدار کا محافظ بنا ہوا ہے۔

نوآبادیاتی حکمران برصغیر کی جدلیاتی تاریخ کا بھرپور شعور رکھتے تھے۔انھیں احساس تھا کہ وہ حکومت مسلمانوں سے چھین رہے ہیں اس لیے ان کے لیے خطرے کا باعث بھی مسلمان ہی بن سکتے ہیں۔عسکری اعتبار سے بھی مسلمان ہی اس قابل تھے کہ مزاحمت کرتے سو جب وہ مغلوب ہو گئے تو اس نئی صورت حال میں سماجی، ثقافتی، سیاسی، معاشی اور نفسیاتی اعتبار سے مسلمان ہی زیادہ متاثر ہوئے۔مزید یہ کہ نوآبادکاروں نے بھی انھیں کچلنے اور کمزور کرنے یا ہمنوا بنانے پر اپنی طاقت صرف کی۔ گویا اس سیاسی زوال نے مسلمانوں کے سماجی وقار کو بھی سخت زک پہنچائی۔ جاگیرو منصب چھن جانے کی وجہ سے وہ اقتصادی اعتبار سے بھی جلد تباہ حال ہو گئے۔مسلمانوں کی اس تباہ حالی کو سرسید نے نئے نظام کے ساتھ مطابقت پیدا نہ کر سکنے اور اخلاقی وتمدنی زبوں حالی کا شاخسانہ قرار دیا تو اپنے ناولوں میں ڈپٹی نذیر احمد نے سرسید کے تتبع میں اس زوال کی وجہ مسلمانوں کی علمی، اخلاقی اور تمدنی پستی کو قرار دیا اور اس پستی سے نکالنے کی سبیل اصلاحی ناول نگاری میں تلاش کی۔

نذیر احمد کا سماجی وتہذیبی شعور بالخصوص ہندی مسلمانوں میں تبدیلی کا عمل بیدار کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اجتماعی طور پر جدید تعلیم کو قبول کریں اور صرف عربی فارسی پر ہی تکیہ نہ کریں۔انگریزی تعلیم اور انگریزی معاشرت سے بیزاری کا رویہ ترک کر دیں یعنی سرسید کی مذہبی تعقل پسندی کا اظہار نذیر احمد کے ناولوں میں ہوا۔نذیر احمد کی تحریروں میں تغیر پذیر معاشرے کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ایک خاص مقصدیت ان کے پیش نظر رہتی ہے بلکہ وہ مقصدیت پہلے طے کرتے ہیں اور ناول بعد میں تخلیق کرتے ہیں۔سرسید کی مذہبی تعقل پسندی کا اظہار نذیر احمد کے ناولوں میں ہوا۔نذیر احمد کے ناولوں میں اپنے عصر سے آگہی کا عمومی احساس موجود ہے۔سماج کی تہذیبی وتمدنی اور معاشرتی و طبقاتی تغیر پذیری کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔قدیم وجدید نظریات سے وہ آگاہ ہیں اور مسلم سماج کو قدیم وکہنہ روایات اور توہمات سے چھٹکارا دلانا چاہتے ہیں۔گو کہ وہ واعظ کا سا انداز اختیار کرتے ہیں مگر ان کی دردمندی ظاہر ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> نذیر احمد کے ناولوں میں وعظ بار بار آتے ہیں۔ وہ واعظ پہلے ہیں اور ادیب بعد میں۔لیکن ان کے وعظوں اور دوسروں کے وعظوں میں فرق یہ ہے کہ ان کے وعظ سرسید کی تحریک اور جدید دور کے

رجحانات سے ہم آہنگ ہیں۔ اس دنیا کا خیال، جس میں ہم رہتے ہیں اور یہاں کی زندگی میں مفاد حاصل کرنے کا درس ان کے وعظوں کا خاص جز ہے۔ وہ مذہب کو دنیا میں کامیابی حاصل کرنے اور کفایت شعاری سکھانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔[۱۸]

نذیر احمد کے ناولوں میں متوسط مسلمان گھرانوں کی معاشرتی زندگی موضوع بنتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ نے ان متوسط طبقات کو مزید پسماندگی میں دھکیل دیا تھا۔ سیاسی اقتدار اور عروج کے خاتمے نے انھیں بددلی اور مایوسی کا شکار کر دیا تھا۔ اس سیاسی، سماجی اور تہذیبی زوال نے فطری ردِعمل پیدا کیا اور وہ اپنی معاشرتی بدحالی کے باوجود مذہبی اعتقادات، روایتی شرافت و نفاست، وضع داری، تساہل پسندی اور عیش کوشی کی عادات و اقدار کو مزید عزیز رکھنے لگے۔ اس طرح ان میں ایک خاص طرح کی انفعالی کیفیت پیدا ہو گئی اور اسی کیفیت کو نذیر احمد نے اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا اور ان کی تحریروں میں اسی عبوری دور کی عصریت کے مظاہر ملتے ہیں۔ ان کے ناول روح عصر کی آواز اور اپنے عہد کا رزمیہ ہیں۔

ڈاکٹر مظفر عباس نے اپنے مقالے میں نذیر احمد کے ناول ''ابن الوقت'' کے جو نمایاں خصائص اخذ کیے ہیں وہ روح عصر کی تصورگری کے حوالے سے بالعموم ان کے تمام ناولوں پر منطبق ہوتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ اپنے عہد کی کشمکش کا تجزیہ

۲۔ تاریخی شعور کے اعتبار سے معاشرتی مسائل کی وجوہات اور ان کا حل۔

۳۔ سوانحی عناصر کے پس منظر میں روایت پرستی کا تجزیہ۔

۴۔ مذہبی نقطہ نظر کا تحلیلی مطالعہ اور ایک واضح نقطہ نظر۔

۵۔ مستقبل کے امکانات اور مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل کا تعین۔[۱۹]

نذیر احمد بہر حال ایک مذہبی آدمی تھے اس لیے ان کے ناولوں میں اصلاحی مقاصد نمایاں رہے ہیں۔ نذیر احمد مسلمانوں کی اخلاقی، سماجی اور مذہبی اصلاح کے خواہش مند ہیں۔ ان کے کردار نئی طرز معاشرت کو اپنانے اور نئی کیفیات میں خود کو ڈھالنے کے خواہشمند نظر آتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں ان کا عصر مزاحمتی رویہ سے قطع نظر بولتا ہے۔ کیونکہ نذیر احمد کا موضوع معاشرتی اصلاح ہے اس لیے عصری آگہی کا دائرہ معاشرت تک محدود ہے۔ جیسا کہ سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

نذیر احمد نے کہانی اور اصلاح معاشرت میں لازم وملزوم کا جو رشتہ قائم کیا ہے اس میں ایک خاص قسم کی منطقی فکر اور اصلاحی اور تبلیغی مزاج کو دخل ہے۔ نذیر احمد اردو کے پہلے قصہ نویس ہیں جنھوں نے ایک خاص معاشرے کی سیاسی، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی زندگی کا غور سے مطالعہ کر کے اور اس زندگی کے ساتھ گہری جذباتی وابستگی پیدا کر کے اس کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اس اہم کام کے لیے قصہ (یا کہانی) کا استعمال کیا۔[۲۰]

ہندوستان کی تہذیبی، ثقافتی، سماجی، سیاسی اور معاشی تاریخ میں انگریز نوآبادکاروں کے آنے کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ انگریز حکمرانوں کے آنے سے قبل بھی ہندوستان کی سرزمین بیرونی حملہ آوروں کی زد میں رہی۔ مختلف علوم وفنون اور عقائد وفکریات ثقافتی وتہذیبی اعتبار سے ہندوستانی سماج کو متاثر کرتے رہے لیکن تہذیبی، تاریخی اور سماجی شعور میں جو تغیر انگریز نوآبادکاروں کے آنے کے بعد پیدا ہوا قبل ازیں نہیں ہو سکا تھا۔ ایک اور نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ قبل ازیں حملہ آور تہذیبیں بھی احساس برتری کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئی تھیں لیکن انھوں نے جلد ہی خود کو ہندوستان کے فطری ماحول میں جذب کر لیا۔ لیکن مغربی نوآبادکاروں کا رویہ اس کے برعکس تھا۔ اس طرح دو تہذیبوں کے مابین کشمکش کی فضا پیدا ہو گئی۔ یعنی نوآبادکار تہذیب جو صنعتی انقلاب کے طفیل احساس برتری کی حامل تھی اور ہندی تہذیب جو اپنی کم مائیگی اور عدم تحفظ کے باعث احساس کمتری کا شکار ہو چکی تھی۔ گویا احساس برتری اور احساس کمتری کی حامل تہذیبوں میں باہمی اشتراک واتصال کے امکانات معدوم تھے اور باہمی آویزش کا امکان زیادہ تھا۔ یا پھر دوسری صورت میں کم تر تہذیب کو سرنگوں ہونا تھا جو کہ بالآخر ہو کر رہا۔ ڈاکٹر احراز نقوی سامراجی تہذیب کے احساس برتری کی وجوہات یوں بیان کرتے ہیں:

انگریزی تہذیب کا احساس برتری کسی حد تک حق بجانب بھی تھا کیونکہ برطانوی تہذیب میں نشاۃ الثانیہ کے شعور کے آثار میں صنعتی انقلاب کا بھی تازہ خون دوڑ رہا تھا۔ جب ہندوستان انگریزوں کے سامنے سپر انداز ہو رہا تھا ٹھیک وہی زمانہ انگلستان میں صنعتی انقلاب کا تھا۔ بھاپ اور بجلی جیسے نئے مادی وسائل کے ساتھ زندگی بھی بدل رہی تھی۔[۲۱]

تہذیب ومعاشرت کی یہ منتشر عکاسی نذیر احمد کے علاوہ اس عہد کے دیگر ناول نگاروں کی تخلیقات میں بھی موجود ہے۔ نذیر احمد قصے کی بنیاد عہد گذشتہ کی تاریخ پر نہیں رکھتے البتہ ماضی معاشرت اور تہذیب کے بیان میں ماجرے کا از خود حصہ بنتا چلا جاتا ہے۔

ناول اپنے موضوع عصر کی تاریخ بھی ہوتا ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ تاریخی شعور کے نتیجے میں ہی فن کار کا سماجی و سیاسی شعور بیدار ہوتا ہے۔ یعنی جب وہ عصری صورت حال کا تقابل ماضی کی معاشرت سے کرتا ہے تو وہ اپنے عصر کی آگہی کا ادراک حاصل کرتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کا بنیادی موضوع اصلاحی ناول نگاری ہے تاہم ان کا ناول ''ابن الوقت'' نیم تاریخی ناول ہے۔ ''فسانہ آزاد'' ۱۸۸۰ء میں کتابی صورت میں شائع ہوا اور ''ابن الوقت'' کا سن اشاعت ۱۸۸۸ء ہے۔ اسی زمانے میں عبدالحلیم شررؔ ''دلگداز'' میں اپنا پہلا تاریخی ناول ''ملک عزیز ورجنا'' قسط وار شائع کر کے اردو ادب میں تاریخی ناول کا آغاز کر رہے تھے۔ نذیر احمد نے ماضی قریب کی تاریخ کو ''ابن الوقت'' میں موضوع بنایا ہے۔ ''ابن الوقت'' میں قصے کی بنیاد تمدنی مسائل پر رکھی گئی ہے۔ اس ناول کا تعلق ہندوستان کے عبوری دور سے ہے۔ ۱۸۵۷ء سے قبل اور بعد کے اہم مسائل اور رجحانات اس ناول کا موضوع ہیں۔ اس عبوری عہد کی سیاسی و مذہبی فضا کی عکاسی کے علاوہ مسلمانوں کے مخصوص ماحول میں قدامت وجدت کی آویزش اور نئے ماحول، تہذیب اور سیاسی قوانین کی قبولیت وگریز کی کشمکش اس ناول کا موضوع ہیں۔ مسلمانوں کے سیاسی زوال کے اثرات ہر شعبہ زندگی پر مرتسم ہوئے۔ ہندوستانی تاریخ کا ایک نیا عہد آغاز ہو رہا تھا اور نذیر احمد اپنے عصر کے نمائندہ تخلیق کار کی حیثیت سے ''ابن الوقت'' میں ملکی تاریخ اور سیاست کو پس منظر کے طور پر استعمال کرتے ہیں اسی لیے ناول کی فضا تاریخی ہے۔ چونکہ نذیر احمد کے تاریخی شعور پر تہذیبی شعور حاوی ہے اس لیے وہ تاریخ کے اس اہم اور نازک بدلاؤ کو استعمال کرنے میں زیادہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ مذہبی فکر کے ذریعے نذیر احمد تاریخ کے بدلتے رجحان کو پرکھتے ہیں اور اس کی نفی کرتے ہیں جو کہ اس عہد کی روح عصر کے معکوس امر تھا۔ گویا تاریخی عمل میں تغیر کے حوالے سے نذیر احمد کی عصریت میں خلا رہ جاتا ہے۔ تاریخی شعور کا لازمی نتیجہ سیاسی شعور ہوتا ہے۔ نذیر احمد اپنے سیاسی شعور کے حوالے سے ردوقبول کے دوراہے پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے وہ مغربی تمدن کے خلاف ہیں مگر سیاسی برتری قبول کرنے کے علاوہ انھیں اب کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آتا۔ گویا نوآبادکاروں کے سیاسی غلبے کو تو وہ تسلیم کر لیتے ہیں لیکن تہذیبی و معاشرتی غلبہ قبول کرنے میں پس وپیش سے کام لیتے ہیں۔ گو کہ مزاحمت ان کی تحریروں میں نظر نہیں آتی البتہ ''ابن الوقت'' ایک خاص عصر کی تمدنی، تہذیبی، معاشرتی اور سیاسی صورتحال کا بیانیہ بن جانے کی پوری صلاحیت رکھتا تھا اگر نذیر احمد کا تاریخی شعور محض اپنی تہذیبی برتری کا اسیر نہ ہوتا۔ البتہ ان کا سیاسی شعور اس امر سے ضرور آگاہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں کے زوال کی وجوہات کیا ہیں؟ مثلاً دوران جنگ جسے نذیر احمد ''غدر'' کہتے ہیں ابن الوقت جب قلعہ میں جاتا ہے اور بادشاہ کا خاص خدمت گار یاقوت اسے نوبل صاحب کے نام ایک چٹھی تھماتا ہے تو ابن الوقت کا ردِعمل اس پورے زوال کو سمجھنے کے لیے کافی ہے:

ابن الوقت اپنے دل میں کہتا چلا آتا تھا کہ کس برتے پر تتا پانی، مردانگی کا وہ حال دیکھ کر ایک دن بھول کر قلعے سے باہر قدم نہ رکھا، بیدار مغزی اس درجہ کی کہ، اپنے خاص الخاص خدمت گار انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں، تو بغاوت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔[۲۲]

نذیر احمد مسلمانوں کی سیاسی برتری، ان کے حاکم ہونے میں دیکھ رہے تھے اور اب سیاسی ابتری ان کے محکوم ہونے میں تھی۔ اس حوالے سے ان کا تاریخی شعور اپنے عصر سے ہم آہنگ تھا کیوں کہ ہندو رعایا کے لیے تو محض حکمران طبقہ بدلا تھا جبکہ مسلمان طبقات کے لیے یہ مکمل سیاسی و تہذیبی بدلاؤ تھا۔ اس لیے نذیر احمد اس تاریخی عمل کو ایک خاص زاویہ سے دیکھ رہے تھے۔ نذیر احمد کے پیش نظر ۱۸۵۷ء کے قریب کے عصر کا احوال تھا۔ ایک لحاظ سے یہ ناول عصری تاریخ کا حامل ہے۔ کیونکہ نذیر احمد عصری رجحانات اور گردوپیش میں وقوع پذیر ہونے والے تغیرات اور سیاسی انقلاب کے اثرات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نذیر احمد کی تحریروں میں اصلاح کا جذبہ اور اس مقصد سے شدید لگاؤ انھیں تہذیب و معاشرت کے مرقعے پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا البتہ وہ بین السطور ایسی تصویریں رکھ دیتے ہیں جو ان کے عصری شعور کی غماز ہیں۔ گو کہ اہل لکھنو بھی براہ راست ۱۸۵۷ء کے واقعات سے متاثر ہوئے تھے لیکن ابتلا کا زیادہ کرب اہل دلی نے سہا۔ سو دلی میں اصلاحی تحریروں کو رواج ہوا۔ ہندوستان میں شہنشاہیت کے طفیل جو تہذیبی اقدار پیدا ہوئی تھیں ان کا زندگی کی حقیقی اقدار سے تعلق کم ہی تھا۔ تعیش پسندی یہاں کی زندگی کا بنیادی جزو تھا جس سے زندگی کی فعالیت کا احساس کم ہو گیا تھا۔ گویا ہر شعبہ زندگی میں مثالیت یا عینیت کا دخل زیادہ تھا اسی لیے نذیر احمد کے کردار بلاوجہ مثالیت پسند نہیں تھے۔

حوالہ جات

۱۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، اردو ناول کی تنقیدی تاریخ، اردو اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ص ۱۰

۲۔ مظفر عباس، ڈاکٹر، اردو ناول کا سفر (داستان سے ناول تک)، گوہر پبلی کیشنز، لاہور، س ن، ص ۷۶

۳۔ اشفاق محمد خان، ڈاکٹر، نذیر احمد کے ناول، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، دہلی، طبع اول، فروری ۱۹۷۹ء، ص ۹۴، ۹۵

۴۔ سید وقار عظیم، پروفیسر، داستان سے افسانے تک، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۶۲

۵۔ نذیر احمد، ڈپٹی، مراۃ العروس (کلیات ڈپٹی نذیر احمد)، خزینہ علم و ادب، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۵ء، ص ۱۶۹

۶۔ زینت بشیر، ڈاکٹر، نذیر احمد کے ناولوں میں نسوانی کردار، الیاس ٹریڈرس پبلشرس اینڈ بک سیلرس، حیدرآباد

(انڈیا)،طبع اول،۱۹۹۱ء،ص۸۲

۷۔ مظفرعباس، ڈاکٹر، اردو ناول کا سفر،ص ۷۶

۸۔ دیباچہ:''ابن الوقت کا فنی مطالعہ''، مشمولہ: کلیات ڈپٹی نذیر احمد، خزینہ علم و ادب، لاہور، بار اول ۲۰۰۵ء، ص۴۵۷

۹۔ خالداشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول،فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء،ص۹

۱۰۔ تاج بیگم فرخی، ڈپٹی نذیر احمد (سلسلہ مطبوعات: مشاہیر اردو)،مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد،طبع اول، ۲۰۱۱ء،ص۱۰۴

۱۱۔ رشید احمد گوریجہ، ڈاکٹر، اردو میں تاریخی ناول، ابلاغ، لاہور،۱۹۹۴ء،ص۱۴۴

۱۲۔ نذیر احمد، ڈپٹی، ابن الوقت (کلیات ڈپٹی نذیر احمد)،ص۶۶۰

۱۳۔ نذیر احمد، ڈپٹی، ابن الوقت (کلیات ڈپٹی نذیر احمد)،ص ۶۶۸

۱۴۔ صدیقی ،عظیم الشان ، اردو ناول، آغاز و ارتقا (۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۸ء،ص۱۵۴

۱۵۔ زینت بشیر، ڈاکٹر، نذیر احمد کے ناولوں میں نسوانی کردار،ص۹۲

۱۶۔ محمد حسن، ۱۸۵۷ء کی ادبی اہمیت،مشمولہ مشمولہ: تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (جلد چہارم)،ص ۱۵۸

۱۷۔ تاج بیگم فرخی، ڈپٹی نذیر احمد،ص۹۰

۱۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد چہارم)،مجلس ترقی ادب، لاہور،طبع اول،فروری ۲۰۱۲ء،ص۱۱۷۲

۱۹۔ مظفرعباس، ڈاکٹر، اردو ناول کا سفر،ص ۸۷، ۸۸

۲۰۔ سیدوقارعظیم، پروفیسر، داستان سے افسانے تک،ص ۶۳

۲۱۔ احرا ز نقوی، ڈاکٹر، پنڈت رتن ناتھ سرشار بحیثیت ناول نگار، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور،طبع اول، ۲۰۰۶ء،ص۳۲

۲۲۔ نذیر احمد، ڈپٹی، ابن الوقت، کلیات ڈپٹی نذیر احمد،ص ۴۸۵